Translation Samvaad, Volume 2, Issue 1, April 2025
ISSN: 3049-4494

حیاتِ حالیؔ

ڈاکٹر چمن لعل بھگت

اسسٹنٹ پروفیسر

شعبۂ اُردو جموں یونیورسٹی ، جموں

94191-80775

پانی پت کا شہر جو دلی سے اسّی (۸۰) کلومیٹر(۵۳ میل) کے فاصلے پر آج بھی اپنی اُسی پرانی شان و شوکت سے آباد ہے ، سیاسی اور ادبی اعتبار سے ہندوستان کی ،تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے ۔ یہ سرزمین جہاں ایک طرف صدیوں سے میدان جنگ کا مرکز بنی رہی، وہیں دوسری طرف اسے رشیوں منیوں، سنتوں، صوفیوں، درویشوں اور قدآور ادبی شخصیتوں کی جائے پیدائش کا شرف بھی حاصل رہا ہے ۔ ہندوستان کی تین بڑی لڑائیاں اور کوروپانڈو کی جنگ اسی سرزمین پر لڑی گئی ۔ بوعلی شاہ قلندر جو صدیوں پہلے ایک مشہور صوفی بزرگ ہوگزرے ہیں کا مزار بھی اسی شہر میں موجود ہے ۔اس مزار پر ہر سال جوق در جوق لوگ نہ صرف زیارت کی غرض سے آتے ہیں بلکہ عید کے روز بڑی دھوم دھام سے عرس منانے کے لئے شرکت بھی کرتے ہیں ۔ تیرہویں صدی عیسوی کی ساتویں دہائی میں ہندوستان میں غیاث الدین بلبنؔ(۸۷ ۔ ۱۲۶۶ء)جو خاندانِ غلاماں کا آخری بہادر اور ذی علم بادشاہ تھا کی حکومت تھی ۔ اس کے دورِ حکومت (۱۲۷۶ء) میں افغانستان میں ہرات کے بادشاہ میرک علی کا بیٹا خواجہ ملک علی زندگیٔ جلاوطنی اختیار کر کے ہندوستان کی سرزمین میں وارد ہوا ۔ اپنی خداداد صلاحیتوں سے اُس نے بادشاہ کا دل جیت لیا ۔ بادشاہ نے خوش ہو کر انہیں پانی پت میں جاگیر دے دی اور بقول مالک رام:

''انہوں نے یہاں مستقل سکونت اختیار کرلی''

(حالیؔ ۔ ہندوستانی ادب کے معمار''، ساہتیہ اکادمی، ۱۹۹۵ء، ص ۱۳'')

خواجہ ملک علی کی اولاد کا سلسلہ شروع ہوگیا جن میں سپاہی لوگ بھی پیدا ہوئے اور عالم و دانشور بھی ۔ ان کی پندرہویں پیڑھی میں خواجہ ایزو بخش نام کے ایک نیک نفس اور خدادوست بزرگ ہوئے ۔ نیکی اور ایمانداری کا اثاثہ انہیں ورثہ میں ملا ہوا تھا ۔ پانی پت کے محلہ انصار میں رہائش پذیر تھے ۔ خواجہ ایزو بخش اس وقت کی صوبائی حکومت کے پرمٹ ڈیپارٹمنٹ میں ایک معمولی عہدے پر مامور تھے ۔ آمدنی کم ہونے کی وجہ سے سادہ زندگی بسر کرتے تھے ۔یہی نیک سیرت بزرگ(خواجہ ایزو بخش) خواجہ الطاف حسین کے والد بزرگوار تھے ۔ ان کی چار اولادیں امداد حسین (لڑکا)، امت الحسین(لڑکی)، وجیہ النساء(لڑکی) اور خواجہ الطاف حسین(لڑکا) تھیں ۔

خواجہ الطاف حسین حالیؔ کا جنم ۱۸۳۷ء (۱۲۵۳ھ) میں پانی پت ضلع کرنال میں ہوا ۔ خواجہ الطاف حسین والدین کا رکھا ہوا نام تھا لیکن ادبی دنیا میں حالیؔ کے نام سے شہرت پائی۔ آپ کی والدہ سید خاندان کی بیٹی تھیں، جبکہ والد ماجد کا شجرۂ نسب حضرت ابو ایوب انصاریؓ، جو رسول اللہؐ کے ساتھیوں میں سب سے بزرگ تھے سے جا ملتا ہے۔ اپنی پیدائش اور خاندان کے بارے میں خواجہ الطاف حسین نے تفصیل سے ذکر کیا ہے ۔ لکھتے ہیں:

''میری ولادت تقریباً ۱۲۵۳ھ مطابق ۱۸۳۷ء میں بمقام قصبہ پانی پت جو شاہجہاں آباد سے جانب شمال ۵۳ میل کے فاصلے پر ایک قدیم بستی ہے واقع ہوئی۔ اس قصبہ میں کچھ کم سات سو برس سے قوم انصاری کی ایک شاخ جس سے راقم کو تعلق ہے آباد چلی آتی ہے۔ ساتویں صدی ہجری اور تیرہویں صدی عیسوی میں جب کہ غیاث الدین بلبنؔ تخت دہلی پر متمکن تھا، شیخ الاسلام خواجہ عبد اللہ انصاری معروف بہ پیر ہرات کی اولاد میں سے ایک بزرگ خواجہ ملکؔ علی جو نام علوم متعارفہ میں اپنے عام معاصرین سے ممتاز تھے، ہرات سے ہندوستان وارد ہوئے تھے۔ پانی پت میں جو اب تک ایک محلہ انصاریوں کا مشہور ہے۔ وہ انہیں بزرگ کی اولاد سے منسوب ہے۔ میں باپ کی طرف سے اس شاخ انصار سے علاقہ رکھتا ہوں اور میری والدہ سادات کے ایک معزز گھرانے جو یہاں ''سادات شہدا پور کے نام سے مشہور ہیں بیٹی تھیں

(مجموعہ نظم حالی''، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ ، ۱۹۸۱ء، ص ۵'')

خواجہ الطاف حسین حالیؔ کی پیدائش کے کچھ عرصہ بعد اُن کی والدہ کے دماغ پر جنون کے آثار نمایاں ہو گئے تھے۔ جس کی وجہ سے وہ عام طور پر خاموش رہا کرتی تھیں۔ ۱۸۴۵ء میں جبکہ خواجہ الطاف حسین سایۂ پدری سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے۔ ان کے والد اس وقت چالیس برس کے تھے۔ ماں کی دماغی پریشانی اور باپ کی بے وقت موت کا صدمہ انہیں بچپن میں سہنا پڑا۔ آپ کی پرورش کا بار بڑے بھائی (امداد حسین) اور بھابی نے اپنے ذمہ لیا جو کہ لاولد تھے ۔ اس کے علاوہ بہنوں نے بھی پالنے پوسنے میں ہاتھ بٹایا۔ ۱۸۵۴ء میں الطاف حسین ابھی سترہ ہی برس کے ہوئے تھے کہ ان کی شادی اپنے ماموں میر باقر کی بیٹی اسلام النساء سے کرا دی گئی۔ اگرچہ وہ شادی اس عمر میں نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن ظاہر ہے کہ بڑے بھائی بھابی اور بہنوں کے حکم کو کیسے ٹال سکتے تھے۔ دستورِ زمانہ کے مطابق اسلام النساء نے کچھ وقت اپنے میکے میں بتایا۔ میر باقر کا گھرانا شروع سے خوشحال تھا لہٰذا بیوی کی ذمہ داری کا بوجھ الطاف حسین کے کندھوں پر بہت کم پڑا۔

۱۸۵۶ء میں الطاف حسین حالیؔکے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا۔ اس کا نام اخلاق حسین رکھا گیا۔ خواجہ امداد حسین (بڑے بھائی) نے اس بچے کو گود لیا تھا۔ الطاف حسین کی بیٹی عنایت فاطمہ تھی اور چھوٹا بیٹا خواجہ سجاد حسین ۱۸۶۱ء میں پیدا ہوا۔ اس کے علاوہ ان کی تین اولادیں اعتقاد حسین (بیٹا)، رقیہ (بیٹی) اور تیسرا بیٹا جس کا کوئی نام نہیں تھا چھوٹی عمر میں وفات پا گئے تھے۔ مالک رامؔ رقمطراز ہیں

''حالیؔ کی چھ اولادیں ہوئیں لیکن ان میں صرف تین زندہ رہیں ان کے سب سے بڑے بیٹے اخلاق حسین (پیدائش ۱۸۵۶/۱۹۲۴ء) تھے۔ جنھیں ان کے بڑے بھائی خواجہ امداد حسین نے (۱۸۸۶ء) گود لے لیا تھا۔ ان کے اپنی کوئی اولاد نہیں تھی۔ دوسری اولاد عنایت فاطمہ تھیں اور سب سے چھوٹے بیٹے خواجہ سجاد حسین (پیدائش ۱۸۶۱ء) تھے ... ان کا انتقال ۱۲ جولائی ۱۹۴۶ء میں ہوا___ ان تین اولادوں کے علاوہ تین اولادیں نو عمری میں فوت ہو گئیں۔

ان کے پہلے بیٹے کا نام اعتقاد حسین تھا جو صرف ۸،۷ سال زندہ رہا۔دوسری لڑکی رقیہ تھی جو دس برس کی عمر میں انتقال کر گئی۔تیسرا لڑکاپیدا ہونے کے چند ماہ بعد مرگیا'' ا

(حالیؔ ہندوستانی ادب کے معمار''، ص ۴۶۔۴۷'')

حالیؔ کے گھر میں بی مڑیا نام کی ایک خاتون رہتی تھی۔بی مڑیا کی شادی نو عمری(دس برس) میں ہوگئی تھی لیکن ۱۸۵۷ء کے غدر میں اپنے شوہر اور اقارب کو کھو بیٹھی تھی۔یہ عورت محنت و مشقت کر کے اپنا خرچہ خود چلاتی تھی مگر جب بوڑھی ہوگئی تو مشتاق فاطمہ (حالی کی پوتی) اس کی خدمت کرتی رہی۔ خواجہ الطاف حسین بھی اس کی بڑی عزت کرتے تھے۔چونکہ انہوں نے خود بھی زندگی کے نشیب و فراز دیکھے تھے مثلاً نو عمری میں والدین کا داغِ مفارقت، ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ، ۱۸۶۹ء میں غالبؔ اور شیفتہؔ کا انتقال، ۱۸۸۶ء میں خواجہ امداد حسین(بھائی) کی وفات، ۱۸۹۸ء میں سر سید کی رحلت اور ۱۹۰۱ء میں اسلام النساء(بیوی) کا سانحہ وغیرہ تمام حادثات و واقعات خواجہ الطاف حسین نے نہ صرف اپنی آنکھوں سے دیکھے بلکہ ان کا ہنس کھیل کر اور مردانہ وار مقابلہ بھی کیا۔

خواجہ الطاف حسین حالیعالم و فاضل گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ ان کا خاندان مذہبی عقیدے کا قائل تھا۔ اس لحاظ سے وہ بھی بزرگوں کی روش پر چلے۔ قاعدہ یہ تھا کہ چار برس چار مہینے اور چار دن کی عمر میں بچے کو مدرس(مولوی) کے پاس مکتب میں پڑھانے بٹھایا جاتا تھا۔چنانچہ الطاف حسین کی ابتدائی تعلیم بھی دستور زمانہ کے مطابق بسم اللہ سے شروع ہوئی۔ قاری حافظ ممتاز حسین کے پاس وہ حفظ قرآن کا علم حاصل کرنے لگے۔ حالیؔ بچپن سے ذہین تھے۔ اپنی ذہنیت اور مولوی حافظ ممتاز حسین جیسے عالم بزرگ کی صحبت میں رہ کر انہوں نے چند سالوں کی مدت میں نہ صرف قرآنِ شریف حفظ کیا بلکہ قرأت کا علم بھی اچھی طرح جان لیا۔بیگم صالحہ عابد حسین(الطاف حسین کی پوتی)رقمطراز ہیں:

''پرانے زمانے کے دستور کے موافق ساڑھے چار سال کی عمر میں الطاف حسین کی بسم اللہ ہوئی۔ پانی پت کا ایک پرانا دستور یہ تھا کہ وہاں ہر مسلمان بچہ قرآنِ شریف کا ایک حصہ ضرور حفظ کرتا تھا اور وہاں کی قرأت سارے ملک میں مشہور تھی۔ الطاف حسین کو پانی پت کے ایک جید قاری حافظ ممتاز حسین کے پاس قرآنِ شریف کی تعلیم کے لئے بٹھایا گیا۔ ان کو پڑھنے کا بچپن سے بے حد شوق تھا اور حافظہ غیر معمولی طور پر اچھا تھا۔چنانچہ انہوں نے جلد ہی قرآنِ شریف حفظ کر لیا''

(یادگارِ حالی''، انجمن ترقی اردو(ہند)،فروری ۱۹۷۵ء، ص ۲۸ '')

قرآن شریف حفظ کرنے کے ساتھ ساتھ حالیؔ کو فارسی اور عربی تعلیم حاصل کرنے کا شوق بھی پیدا ہوا۔چنانچہ سید جعفر علی سے فارسی سیکھی اور ایک نوجوان مجتہد حاجی ابراہیم حسین صاحب سے عربی کی تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ صرف و نحو کی کچھ ابتدائی کتابوں کا گہرا مطالعہ بھی کیا۔لیکن اتنا کچھ کرنے کے باوجود حالیؔ کو باقاعدہ تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا۔ تعلیم کو تکمیل کے درجے تک پہنچانا ان کی خواہش تھی۔چنانچہ ۱۸۵۴ء میں سترہ برس کی عمر میں علم کی پیاس بجھانے کے لئے کسی کو کہے بغیرپانی پت سےپیدل اسی کلو میٹرکا سفرطے کر کے دلی چلے گئے۔ دلّی اس زمانے میں جہاں ایک طرف علم و ادب کا گہوارہ بنی ہوئی تھی، وہیں دوسری طرف سیاسی اتھل پتھل بھی جاری تھی۔ مغلیہ سلطنت دم توڑ رہی تھی لیکن عالم و فاضل لوگ اس شورش کے

دور میں بھی سکون کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ الطاف حسین حالیؔ دلی کے مدرسہ حسین بخش میں داخل ہو گئے۔ یہاں انہیں مولوی نوازش علی، مولوی فیض الحسن، مولوی امیر احمد، شمس العلماء سید میاں نذیر حسین وغیرہ جیسے ممتاز اساتذہ اور قدآور شخصیتوں کی نہ صرف شاگردی کا شرف حاصل ہوا بلکہ عربی فارسی اور اسلامی علوم کے بارے میں بہت کچھ جانکاری بھی حاصل کی۔ اس کے علاوہ ذوقؔ، غالبؔ اور شیفتہؔ وغیرہ عظیم شعراء جو دلی میں مقیم تھے کا کلام سننے کا موقع بھی ملا۔

انگریز حکومت نے ہندوستانی بچوں کو انگریزی اور یورپی علوم سے روشناس کرانے کے لئے قدیم دلی کالج ۱۸۲۵ء میں قائم کیا۔ ماسٹر رام چندر، محمد حسین آزادؔ، ڈپٹی نذیر احمد، ذکاؔ اللہ، ماسٹرپیارے لال وغیرہ عالم و فاضل لوگ اسی کالج کی دین تھے۔ قدیم دلی کالج میں ذہین طلبہ کو وظیفے بھی دیئے جاتے تھے اگرچہ خواجہ الطاف حسین حالیؔبھی اس کالج میں داخلہ لینا چاہتے تھے مگر بقول مالک رام ''اس زمانے کا یہ دستور تھا کہ انگریزی تعلیم حاصل کرنا مذہب کے خلاف سمجھا جاتا تھا''

(حالی۔ ہندوستانی ادب کے معمار''، ص ۱۶ '')

خواجہ الطاف حسین کو ابھی دلی میں ایک برس ہی ہوا تھا کہ ان کے گھر والوں کو علم ہوگیا۔ چنانچہ وہ مجبوراً بڑے بھائی کے حکم کو بجا لاتے ہوئے ۱۸۵۵ء میں پانی پت واپس لوٹے۔ اب ان کا ایک بچہ بھی ہوگیا تھا جس سے گھریلو ذمہ داریوں میں آئے دن اضافہ ہورہا تھا۔ انہوں نے نوکری کی تلاش بھی جاری رکھی، بسیار کوشش کے بعد ۱۸۵۶ء میں حالیؔ کو ضلع حصار میں ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں ایک چھوٹی سی ملازمت مل گئی۔ ابھی انہوں نے چین کی سانس نہیں لی تھی کہ مئی ۱۸۵۷ء میں غدر برپا ہوگیا۔ انہوںنے ملازمت کو خیرباد کہا اور اپنے آبائی وطن (پانی پت) واپس آگئے۔ دلی کے مقابلے میں پانی پت میں حالات سازگار تھے چنانچہ بہت سے شعراء و ادباء نے پانی پت میں پناہ لی۔ ۱۸۶۲ء تک حالیؔ پانی پت میں رہے۔ اس چار سالہ مدت میں انہوں نے پانی پت کے مشہور علماء مثلاً مولوی عبد الرحمن، مولوی محب اللہ اور مولوی قلندر علی وغیرہ سے قرآن پاک اور حضرت محمدؐ علیہ وسلم کی تعلیمات کے بارے میں مزید معلومات حاصل کیں۔

پانی پت میں چار سال کے دوران حالیؔ کو آب و ہوا صحت کے لئے مفید ثابت نہ ہوئی۔ اب دلی میں شر و فساد کے شعلے قدرے ٹھنڈے پڑ چکے تھے اور ملک کی نظم و نسق کی باگ ڈور ملکہ وکٹوریہ کے ہاتھوں آگئی تھی۔ الطاف حسین حالیؔ اپنے خاندان کی مرضی سے ۱۸۶۲ء میں دوبارہ دلی تشریف لے گئے، یہاں ان کی ملاقات مشہور عالم فاضل اور جہانگیر آباد کے رئیس نواب مصطفی خان شیفتہؔ سے ہوئی۔ نواب مصطفی خان جو اُردو میں شیفتہؔ اور فارسی میں حسرتیؔ تخلص کرتے تھے اپنے علم و فضل اور خاندان کے اثر و رسوخ سے انگریز سرکار میں توقیر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ حالیؔ کی شخصیت اور علم و ادب سے بے حد متاثر ہوئے۔ انہوں نے حالیؔ کو جہانگیر آباد بلا کر اپنے بچوں کی اتالیقی کا کام ان کے سپرد کیا۔ یہ سلسلہ سات سال تک جاری رہا۔ حالیؔ نے شیفتہؔ کی صحبت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے غالبؔ سے نہ صرف قریبی مراسلات قائم کئے بلکہ ان کے شاگرد بھی ہو گئے۔

فروری ۱۸۶۹ء میں غالبؔ اور چند مہینے بعد شیفتہؔ کی موت کا حالیؔ کے دل پر گہرا اثر پڑا۔ وہ روزی کی کوشش میں پھر لگ گئے۔ بالآخر پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو لاہور میں بحیثیت مترجم ان کا تقرر ہوا جہاں انگریزی سے ترجمہ شدہ اردو کتابوں کی تصحیح کا کام اُن کے سپرد کیا گیا۔ حالیؔ کو اس دوران نہ صرف مغربی تعلیم

اور علم و فن سے گہری واقفیت حاصل ہوئی بلکہ شہکار کاوشوں کو پڑھنے کا موقع بھی ملا۔ اسی زمانے میں ان کی ملاقات اردو کے مشہور شاعر، اعلیٰ پایہ کے انشاء پرداز، صحافی، بہترین نقاد اور عربی کے پروفیسر محمد حسین آزادؔ سے ہوئی۔ ان کی صحبت سے بھی حالیؔ نے کافی فائدہ اُٹھایا۔ ۱۸۷۱ء میں حالیؔ ہفت روزہ ''ہمارے پنجاب'' کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ ۱۸۷۴ء میں کرنل ہالر ائیڈ (ناظم تعلیمات پنجاب) نے لاہور میں ایک مشاعرہ کا اہتمام کیا جس کی ذمہ داریاں محمد حسین آزادؔ کے سپرد تھیں۔ حالیؔ نے آزادؔ کا تعاون دینے کے ساتھ ساتھ اس مشاعرہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ بھی لیا۔

لاہور کے قیام کے دوران حالیؔ بیمار رہنے لگے اور یہاں انہیں دل بھی نہیں لگتا تھا لہٰذا چار سال گزارنے کے بعد ۱۸۷۵ء میں دلی واپس آگئے اور اینگلو عربک کالج میں عربی مدرس کے فرائض سر انجام دینے لگے۔ یہاں ان کی ملاقات سر سید احمد خان سے ہوئی۔ سر سید جن کے دل میں قوم کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا کی سیرت و شخصیت سے حالیؔ نہ صرف متاثر ہوئے بلکہ جان و دل سے ان کے ساتھ جڑ گئے۔ اس سلسلے میں ایک جگہ خود رقمطراز ہیں:

''نگاہ اُٹھا کر دیکھا تو دائیں بائیں، آگے پیچھے ایک میدانِ وسیع نظر آیا جس میں بے شمار راہیں چاروں طرف کھلی ہوئی تھیں اور خیال کے لئے کہیں عرصہ تنگ نہ تھا... ناگاہ دیکھا کہ ایک خدا کا بندہ جو اس میدان کا مرد ہے۔ ایک دشوار گزار راستے میں رہِ نورد ہے۔ بہت سے لوگ جو اس کے ساتھ چلے تھے، تھک کر پیچھے رہ گئے ہیں... لیکن وہ اولوالعزم آدمی جو ان سب کا رہنما ہے اسی طرح تازہ دم ہے... اس کی چتونوں میں غضب کا جادو بھرا ہے... اس کی ایک نگاہ اِدھر بھی پڑی اور اپنا کام کر گئی۔ بیس برس کے تھکے ہارے خستہ و کوفتہ اسی دشوار گزار رستہ پر پڑ گئے''

(مسدس حالی'' رام نارائن لال ارن کمار۲، کٹرہ روڈ الہ آباد، ۱۹۹۴ء، ص ۱۳'')

غرضیکہ حالیؔ، سرسیدؔ کی تحریک سے منسلک ہو کر قوم کی خدمات سر انجام دینے لگے اور قلیل عرصہ میں اپنی شہرت منوا گئے۔ جنوری ۱۸۸۷ء میں وہ اینچی سن کالج لاہور میں سپرانٹنڈنٹ کے عہدے پر فائز ہوئے لیکن پہلے کی طرح اب بھی صحت بگڑنے لگی۔ بالآخر اس ملازمت سے انہوں نے استعفیٰ دے دیا اور جون ۱۸۸۷ء میں واپس دلی آکر دوبارہ اینگلو عربک اسکول میں بحیثیت عربی استاد ساٹھ روپے ماہوار تنخواہ پر کام کرنے لگے۔ اسی زمانے (۱۸۸۷ء) میں وزیر اعظم حیدرآباد نواب سرآسمان جاہ جو شملہ تشریف لائے تھے نے سرسید کے دعوت نامہ کو خوش آمدید کہتے ہوئے ایم اے او کالج علی گڑھ کا دورہ کیا۔ وہاں سرسیدؔ کی وساطت سے حالیؔ کا تعارف وزیر اعظم سر آسمان جاہ سے ہوا۔ نواب سر آسمان جاہ اگرچہ حالیؔ کی شہرت اس سے پہلے بھی سن چکے تھے لیکن ملاقات کے بعد اور بھی زیادہ معلومات فراہم کیں۔ انہوں نے حالیؔ کو ریاست حیدرآباد کی طرف سے شعبۂ امداد مصنّفین سے وظیفہ دینے کا اعلان بھی کیا۔ ۱۸۸۸ء سے حالیؔ کو ۷۵روپے ماہوار وظیفہ ملنے لگا اور ۱۸۹۱ء کے بعد یہ رقم سو روپے کر دی گئی، جو انہیں تا عمر ملتی رہی۔ وظیفہ کی رقم منظور ہوتے ہی انہوں نے سرکاری ملازمت سے کنارہ کشی کرلی۔ کچھ عرصہ دلی قیام کرنے کے بعد ۱۸۹۸ء میں اپنے آبائی وطن پانی پت تشریف لے آئے۔ سر سید بھی اسی دور (۱۸۹۸ء) میں اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے جس کا انہیں (حالیؔ) گہرا صدمہ پہنچا۔ حالیؔ کو قومی و ادبی خدمات سر انجام دینے کے اعتراف میں انگریز گورنمنٹ نے انہیں ۱۹۰۴ء میں شمس العلماء کے خطاب سے نوازا۔ انہوں نے ۱۹۰۵ء میں حیدرآباد کا دوبارہ سفر کیا اور چھ مہینے قیام کرنے کے بعد جون ۱۹۰۶ء میں پانی پت واپس لوٹے۔ ۱۹۰۷ء میں کراچی گئے۔ مئی ۱۹۱۱ء میں آنکھ کا آپریشن لکھنؤ میں کرانے کے بعد پانی پت واپس آئے اور آخری دم تک یہیں کے ہو رہے۔

جیسے کے پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ حالیؔ ایک ادبی اور معزز گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے آباء اجداد نیک سیرت اور عالم بزرگ تھے۔ اس لحاظ سے حالیؔ کے اندر بھی علم ذوق کا جذبہ کارفرما تھا۔ انہیں بچپن سے شعر و شاعری کا شوق تھا اور قدرت نے بھی ذہن رسا دیا تھا۔ ان کی بڑی خواہش چونکہ علم حاصل کرنا تھا لہٰذا وہ پانی پت سے فرار ہو کر دلی چلے گئے جہاں انہوں نے ۵۵-۱۸۵۴ء میں عربی میں ایک رسالہ جو دینیات کے موضوع پر مبنی تھا لکھ کر اپنی ادبی زندگی کا سفر شروع کیا۔ مولوی نوازش علی جن سے حالیؔ نے عربی سیکھی تھی نے اس رسالہ کو پھاڑ دیا۔ اگرچہ حالیؔ کو اس کا بہت افسوس ہوا لیکن پھر بھی انہوں نے ہمت نہ ہاری اور اکثر مشاعروں میں شرکت کرتے رہے۔ دلی کے قیام کے دوران انہیں ذوقؔ، غالبؔ، شیفتہؔ وغیرہ سے نہ صرف ملاقات کے مواقع فراہم ہوئے بلکہ ان کی شعری خدمات سے بھی بے حد متاثر ہوئے۔ غالب کو اُستاد ماننے لگے۔ اس کے علاوہ شیفتہؔ کے ساتھ بھی قریبی مراسم قائم کر لئے۔ حالیؔ نے خستہؔ کے تخلص سے چند غزلیں لکھ کر غالبؔ کو دکھائیں۔ غالبؔ سخت نقاد تھے۔ ان کی غزلوں کو دیکھ کر انہیں اس بات کا بخوبی علم ہو گیا کہ اس (حالیؔ) کے اندر ایک منجھے ہوئے اور سچے شاعر کی صلاحیت موجود ہے۔ پس شعر کہنے کا مشورہ دے دیا۔ بقول غالبؔ:

میں ہر کس و ناکس کو شعر کہنے کا مشورہ کبھی نہیں دیتا لیکن تمہارے بارے میں میرا یہ خیال ہے کہ اگر تم شعر نہیں کہو گے تو تم اپنے ساتھ بڑی بے انصافی ''سے کرو گے''۔ ۱

(حالیؔ۔ ہندوستانی ادب کے معمار''، ص ۱۸'')

حالیؔ کے ذوق شعر و ادب کو سنورنے اور نکھارنے میں غالبؔ اور شیفتہؔ کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے۔ شاعری کا جہاں تک تعلق ہے انہوں نے ہر صنف سخن مثلاً نظم، غزل، رباعی، مرثیہ، قطعات، ترکیب بند، مثنوی وغیرہ میں طبع آزمائی کی۔ انہوں نے شاعری کی ابتداء غزل سے کی۔ ۱۸۶۹ء میں غالبؔ کی وفات پر مرثیہ لکھا۔ ۱۸۷۴ء میں پنجاب کے لیفٹننٹ گورنر سر ڈونلڈ میکلوڈ کی سفارش پر ناظم تعلیمات پنجاب کرنل ہالرائیڈ نے لاہور کے مقام پر ایک مشاعرہ کا اہتمام کیا۔ اس کی ذمہ داری محمد حسین آزادؔ کے سپرد کی گئی۔ چنانچہ حالیؔ نے اس دوران نہ صرف آزادؔ کا ساتھ دیا بلکہ مشاعرہ میں '' برکھارُت ''، ''نشاطِ امید''، ''حب الوطن'' اور ''مناظرہ رحم و انصاف'' جیسی نظمیں بھی پڑھیں۔ لاہور کے اسی مشاعرہ کے تحت نظم جدید کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ ۱۸۷۹ء میں سر سیّد کے کہنے پر حالیؔ نے ''مسدس مدوجزر اسلام'' لکھی۔ اس کے علاوہ ''تعصب و انصاف''، ''کلمتہ الحق''، ''مناظرہ واعظ و شاعر''، ''پھوٹ اور ایکے کا مناظرہ''، مناجاتِ بیوہ''، ''جشن جوبلی''، ''بہ ننگ خدمت''، ''دولت اور وقت کا مناظرہ'' ''شکوۂ ہند''، ''مسلمانوں کی تعلیم'' وغیرہ ان کی شاہکار مثنوی نما'' نظمیںہیں۔ ۱۸۹۰ء میں حالیؔ نے پندرہ نظموں کا مجموعہ ''مجموعۂ نظم حالی'' کے نام سے شائع کروایا۔ ۱۸۹۲ء میں انہوں نے مرثیہ حکیم محمود خاں دہلوی اور ۱۹۰۵ء میں ''چپ کی داد'' مثنوی لکھی۔ اس کے علاوہ اور بھی انہوں نے شعری خدمات سرانجام دی ہیں۔

نثر میں حالیؔ نے بہت سی تصانیف یادگار چھوڑیں ہیں۔ خاص طور سے تنقید، تحقیق اور سوانح نگاری کے میدان میں انہوں نے اپنی پہچان بنائی۔ ۵۵-۱۸۵۴ء کے درمیان میں عربی میں ایک رسالہ لکھا تھا جس کا ذکر پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے۔ ان کی سب سے پہلی نثری تصنیف ''مولودِ شریف (۱۸۶۴ء)'' ہے۔ ۱۸۶۷ء میں انہوں نے ''تریاقِ مسموم'' اور ۱۸۷۱ء میں ''اصولِ فارسی'' نام کی کتابیں لکھیں۔ اس کے علاوہ اسی زمانے (۱۸۷۱ء) میں ''مبادی علم ارضیات باطبقات الارض'' کے عنوان سے ایک تصنیف تحریر کی۔ ۱۸۷۲ء میں ''شواہد الالہام''، ۱۸۷۴ء میں ''مجالس

النساء'' اور۱۸۸۲ء میں ''سفرنامہ ناصر خسرو'' قلمبند کیا۔ حالیؔ نے فارسی کے مشہور و معروف شاعر شیخ سعدیؔ کی سوانح عمری ''حیاتِ سعدی'' کے عنوان سے لکھ کر سیرت نگاری میں ایک نئی راہ کا سنگ بنیاد رکھا۔ حالیؔ کی ''حیات سعدی'' کب منظر عام پر آئی اس سلسلے میں متضاد رائیں ملتی ہیں۔ صالحہ عابد حسین کے مطابق :

''حیات سعدیؔ ۱۸۸۱ء میں، یادگار غالب ۱۸۹۶ء میں اور حیات جاوید ۱۹۰۱ء میں شائع ہوئیں''

(یادگار حالی''، ص۲۹۶'')

:حیات سعدی کے بارے میں رشید حسن خان لکھتے ہیں

یہ کتاب بارہا چھپی ہے۔ حال ہی میں لاہور سے اس کا ایک ایڈیشن شائع ہوا ہے، جسے شیخ اسماعیل پانی پتی نے مرتب کیا ہے۔ ان کی تحریر کے مطابق''
''حیات سعدی کا پہلا ایڈیشن ۱۸۸۶ء میں شائع ہوا تھا

(حیات سعدی''، تعارف از رشید حسن خان، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی، مارچ ۱۹۹۲ء، ص۷'')

:سیّد عابد حسین رقمطراز ہیں

''ء میں انہوں نے 'حیات سعدی'، ۱۸۹۶ء میں یادگارِ غالب اور ۱۹۰۱ء میں سرسید کی سیرت، 'حیاتِ جاوید' کے نام سے شائع کی ۱۸۸۱''

(مطالعۂ حالی''، مرتبہ ساحل احمد، اُردو رائٹرس، گلڈ الہ آباد، ۱۹۹۷ء، ص ۵۰۔ ۵۱'')

ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی کا ماننا ہے:۔

''ء میں ان کی مشہور تصنیف 'حیات سعدی' شائع ہوئی۔ ۱۸۸۴''

(مجموعۂ نظم حالی''، ص۸'')

:بقول مالک رام

''ء میں حالیؔ نے فلسفی مصلح الدین شیرازی کی سوانح حیات 'حیاتِ سعدی' لکھی جو بہت مقبول ہوئی ۱۸۸۶''

(حالی۔ ہندوستانی ادب کے معمار''، ص۳۸'')

:شجاعت علی صدیقی ناظر کاکوروی رقمطراز ہیں

''ء میں حیات سعدی لکھی گئی۔ ۱۸۸۴''

(مطالعۂ حالی''، ادارہ فروغ اردو لکھنؤ، ۱۹۸۸ء، ص۷۳'')

:ڈاکٹر کمال احمد صدیقی کی رائے یوں ہے

''حیات سعدی اُردو میں پہلی سوانح حیات خواجہ الطاف حسین حالیؔ نے ۱۸۶۶ء میں لکھی تھی۔ ''

(شبلی کی علمی و ادبی خدمات''، مرتبہ خلیق انجمؔ، انجمن ترقی اردو ہند نئی دہلی، اردو ادب (سہ ماہی)۱۹۹۶ء، شمارہ ۳،۲،۱۔ص ۲۶ '')

ء میں ''مقدمہ دیوانِ حالیؔ'' جو ''مقدمہ شعر و شاعری'' کے نام سے جانی جاتی ہے منظر عام پر آئی۔ ۱۸۹۶ء میںحالی نے اپنے استاد محترم غالبؔ کی۱۸۹۳ زندگی پر ''یادگارِ غالب''کو مکمل کیا۔ ۱۹۰۱ء میں سرسید کی حیات سے متعلق ''حیاتِ جاوید''کو منظرعام پر لایا۔ ۱۹۰۲ء میں انہوں نے اپنے مقالات پر مبنی ایک کتاب شائع کی جو ''مقالاتِ حالی'' کے نام سے عوام میں مقبول ہوئی۔ علاوہ ازیں اور بھی بہت سے نثری مضامین انہوں نے لکھے ہیں جو وقتاًفوقتاً مختلف ادبی رسائل میں شائع ہوتے رہے۔ ''مکتوب حالی''، ''مکاتیب حالی''، ''کلیاتِ نثر حالی'' وغیرہ وغیرہ بھی حالیؔ کی مقبول کتابیں ہیں۔

، حالیؔ نے ۱۸۵۴ء میں پانی پت سے دلی تک کا جو سفرپیدل طے کیا تھا اس کے سبب اُن کے جسم میں مختلف بیماریاں جڑپکڑ گئی تھیں مثلاً کھانسی، بخار، دمہ نزلہ، بواسیر، زکام، دانتوں کا درد اور دوسری کئی بیماریاں۔ ان بیماریوں نے حالیؔ کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑا لیکن اس کے باوجود وہ ادب و قوم کی خدمات میں ، مصروف رہے۔ انہوں نے ملک کے مختلف حصوں جہانگیر آباد، فرید آباد، پٹیالہ، علی گڑھ، لکھنؤ، لاہور، آگرہ، میرٹھ، فتح پور سکری، غازی آباد، الہ آباد، اٹاوہ جھانسی، کانپور، متھرا، بندرابن، کرانچی، بمبئی، شملہ، حیدرآباد اور پونا وغیرہ شہروں کے طویل سفر بھی کئے۔ ان کی آنکھیں بھی دن بدن کمزور ہوتی جارہی تھیں مگر انہوں نے اس کی طرف کوئی خاص دھیان نہ دیا۔ اس لاپرواہی کی وجہ سے حالیؔ کی داہنی آنکھ میں پانی اُتر آیا اور کچھ مدت کے بعد بائیں آنکھ کی بینائی بھی جواب دے گئی۔ بالآخر انہوں نے پٹیالہ کے راجندر اسپتال میں اپنی آنکھ کا آپریشن کروایا۔ ۱۹۱۱ء میں دوسری آنکھ کے آپریشن کے لئے لکھنؤ کے ایک اسپتال میں داخل ہو گئے اور آپریشن کروانے کے بعد دونوں آنکھوں کا چشمہ بنوایا۔ زندگی کے آخری مہینوں میں ان پر فالج کا حملہ ہوگیا جس کی وجہ سے بولنے میں کافی دقت محسوس ہونے لگی۔ بات تو آسانی سے سن لیتے تھے مگر جواب بڑی مشکل سے دیتے تھے۔ عمر بھر مشکلات اور مصائب سے جدوجہد کرنے کے بعد ۳۱ دسمبر۱۵۔۱۹۱۴ء کی درمیانی رات یعنی یکم جنوری ۱۹۱۵ء کو علم و ادب کا یہ ستارہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ڈوب گیا۔پانی پت میں حضرت بو علی شاہ :قلندر (صوفی اور درویش)صاحب کی درگاہ کے صحن میں حالیؔ کو دفنایا گیا۔ اس بارے میں مالک رام ایک جگہ رقمطراز ہیں

آخر یکم جنوری ۱۹۱۵ء کے شروع گھنٹوں میں علم و ادب کا یہ گوہر گراں مایہ پانی پت میں ۷۷ سال کی عمر میں انتقال کر گیا اور وہیں درگاہ شاہ شریف الدین بو'' علی شاہ قلندر کے مقبرے میں ان کو دفن کیا گیا''

(حالی۔ ہندوستانی ادب کے معمار''، ص ۵۱'')

:بیگم صالحہ عابد حسین مزید رقمطراز ہیں

آخر ۳۱ دسمبر۱۹۱۴ء کو علم و ادب کا یہ گوہر گراں مایہ، جس نے اُردو میں جدید شاعری کی بنیاد ڈالی اور تنقید میں امامت کا مقام حاصل کیا، جس نے اپنی'' مسدس میں ایک قوم کے عروج و زوال کی داستان کو امر بنا دیا... اس جہانِ فانی سے رخصت ہوا اور اس کی روح نے جانِ آفریں کے پاس پہنچ کر مقامِ محمود

حاصل کیا____پانی پت میں درگاہ قلندر صاحبؒ کے صحن میں مسجد کے حوض کے کنارے سنگ مرمر کی ایک خوبصورت قبر میں حالیؔ آسودۂ خواب ہیں۔ یہ مقام شعر و ادب کے قدر دانوں کیلئے ہمیشہ آستانۂ نیاز بنا رہے گا''۔

(یادگارِ حالیؔ''، ص ۷۵'')

مندرجہ بالا اقتباسات سے حالیؔ کی وفات کے بارے میں اگرچہ متضاد آراء پائی جاتی ہیں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ حالیؔ کی وفات ۳۱ دسمبر ۱۹۱۴ء میں رات کو ہوئی۔ اس لئے یکم جنوری ۱۹۱۵ء ان کا یومِ وفات تسلیم کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا اور اس کی مزید وضاحت کے لئے مالک رام کے یہ جملے دیکھئے:

حالیؔ کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ ان کا انتقال ۳۱، دسمبر ۱۹۱۴ء کو ہوا۔ یہ حقیقت ہے کہ ان کا انتقال آدھی رات گزرنے کے بعد یعنی ۲ بجے صبح'' سے سالِ نو کے دن یکم جنوری ۱۹۱۵ء کو ہوا''۲

(حالیؔ۔ ہندوستانی ادب کے معمار''، ص ۵۱'')

Life of Hali

Dr. Chaman Lal Bhagat

Assistant Professor

Department of Urdu, University of Jammu, Jammu

94191-80775

The city of Panipat, located 80 kilometers (53 miles) from Delhi, still stands today with its ancient grandeur and holds a significant place in Indian history as a milestone in both political and literary contexts. This land, on one hand, has been a battleground for centuries, and on the other, it has the honor of being the birthplace of sages, saints, Sufis, dervishes, and towering literary figures. Three major battles of India, along with the Kurukshetra war, were fought on this very soil. The shrine of Bu Ali Shah Qalandar, a renowned Sufi saint from centuries past, is also located in this city. Every year, crowds of people visit this shrine not only for pilgrimage but also to participate in the grand Urs celebrations on the day of Eid. In the seventh decade of the 13th century CE, during the reign of Ghiyasuddin Balban (1266–1287 CE), the last brave and learned king of the Slave Dynasty, a prince named Khwaja Malik Ali, son of King Mirak Ali of Herat, Afghanistan, arrived in India as an exile. With his God-given talents, he won the heart of the king, who, pleased with him, granted him a jagir (land estate) in Panipat. As Malik Ram states:

"He settled here permanently."

(Hali: Architect of Indian Literature, Sahitya Akademi, 1995, p. 13)

From Khwaja Malik Ali began a lineage that produced both warriors and scholars. In the fifteenth generation of this lineage was born Khwaja Izobaksh, a pious and God-fearing elder. He inherited the virtues of righteousness and honesty. Residing in the Ansari locality of Panipat, Khwaja Izobaksh served in a modest position in the Permit

Department of the provincial government. Due to limited income, he led a simple life. This virtuous elder, Khwaja Izobaksh, was the father of Khwaja Altaf Hussain. He had four children: Imdad Hussain (son), Amat-ul-Hussain (daughter), Wajih-un-Nisa (daughter), and Khwaja Altaf Hussain (son).

Khwaja Altaf Hussain Hali was born in 1837 CE (1253 AH) in Panipat, Karnal district. His parents named him Khwaja Altaf Hussain, but he gained fame in the literary world as Hali. His mother was from a Syed family, while his father's lineage traced back to Hazrat Abu Ayub Ansari, one of the most revered companions of the Prophet Muhammad (PBUH). Hali himself detailed his birth and family background, writing:

"My birth took place around 1253 AH, corresponding to 1837 CE, in the town of Panipat, located 53 miles north of Shahjahanabad, an ancient settlement. For nearly seven hundred years, a branch of the Ansari tribe, to which I belong, has been settled in this town. In the seventh century AH and the thirteenth century CE, during the reign of Ghiyasuddin Balban on the throne of Delhi, a nobleman named Khwaja Malik Ali, a distinguished scholar among his contemporaries and a descendant of Sheikh-ul-Islam Khwaja Abdullah Ansari, known as Pir Herat, arrived in India from Herat. The Ansari locality in Panipat, still famous today, is attributed to his descendants. I belong to this branch of the Ansari tribe through my father, and my mother was the daughter of a respected Syed family, known here as Sadat Shahdapur."

(Majmua Nazm Hali, Educational Book House, Aligarh, 1981, p. 5)

Shortly after Hali's birth, his mother began showing signs of mental instability, which caused her to remain mostly silent. In 1845, when Hali was only eight years old, he lost his father forever, who was around forty at the time. The shock of his mother's mental distress and his father's untimely death deeply affected him in childhood. His elder brother, Imdad Hussain, and his sister-in-law, who were childless, took on the responsibility of raising him, with his sisters also contributing to his upbringing. In 1854, at the age of seventeen, Hali was married to his maternal cousin, Islam-un-Nisa, the daughter of Mir Baqar. Though he was reluctant to marry at such a young age, he could not defy the wishes of his elder brother, sister-in-law, and sisters. As per the customs of the time, Islam-un-Nisa spent some time at her parental home. Since Mir Baqar's family was affluent, the burden of responsibility for his wife was minimal for Hali.

In 1856, Hali's first child, a son named Akhlaq Hussain, was born. His elder brother, Imdad Hussain, adopted this child. Hali's daughter, Unayat Fatima, and his younger son, Khwaja Sajjad Hussain, were born in 1861. Three other children—Itiqad Hussain (son), Raqiya (daughter), and an unnamed son—passed away in early childhood. Malik Ram writes:

"Hali had six children, but only three survived. His eldest son, Akhlaq Hussain (born 1856/1924), was adopted by his elder brother, Khwaja Imdad Hussain, in 1886, as he had no children of his own. The second child was Unayat Fatima, and the youngest son was Khwaja Sajjad Hussain (born 1861), who passed away on July 12, 1946. The other three children died in early childhood: the first son, Itiqad Hussain, lived for only 7–8 years; the second, a daughter named Raqiya, passed away at the age of ten; and the third, an unnamed son, died a few months after birth."

(Hali: Architect of Indian Literature, pp. 46–47)

A woman named Bi Muriya lived in Hali's household. She had been married at a young age (ten years) but lost her husband and relatives during the 1857 revolt. She earned her livelihood through hard work, but in old age, Mushtaq Fatima (Hali's granddaughter) took care of her. Hali greatly respected her, having himself experienced life's ups and downs, such as the loss of his parents in childhood, the turmoil of 1857, the deaths of Ghalib and Shefta in 1869, the passing of his brother Imdad Hussain in 1886, Sir Syed Ahmad Khan's death in 1898, and the tragic loss of his wife, Islam-un-Nisa, in 1901. Hali not only witnessed these events but faced them with courage and resilience.

Khwaja Altaf Hussain Hali was a beacon of a scholarly and virtuous family, deeply rooted in religious beliefs. Following the traditions of his elders, he was sent to a madrasa at the age of four years, four months, and four days

to begin his education. His initial education started with the recitation of Bismillah. Under the guidance of Qari Hafiz Mumtaz Hussain, he memorized the Quran and mastered its recitation. Hali was intelligent from childhood, and with the mentorship of a scholar like Hafiz Mumtaz Hussain, he not only memorized the Quran in a few years but also gained proficiency in its recitation. Begum Saleha Abid Hussain, Hali's granddaughter, writes:

"As per the old tradition, Altaf Hussain's Bismillah ceremony was held at the age of four and a half. It was a tradition in Panipat that every Muslim child memorized at least a portion of the Quran, and its recitation was renowned across the country. Altaf Hussain was sent to Qari Hafiz Mumtaz Hussain, a distinguished scholar of Panipat, for Quranic education. He had a great passion for learning from childhood and an extraordinary memory, so he quickly memorized the Quran."

(Yadgar-e-Hali, Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), February 1975, p. 28)

Along with memorizing the Quran, Hali developed a keen interest in learning Persian and Arabic. He studied Persian under Syed Jafar Ali and Arabic under a young scholar, Haji Ibrahim Hussain, while also deeply engaging with basic books on Arabic grammar and syntax. Despite these efforts, he did not have the opportunity for formal education. His desire was to complete his education, so at the age of seventeen in 1854, driven by a thirst for knowledge, he left Panipat without informing anyone and walked 80 kilometers to Delhi. At that time, Delhi was not only a cradle of knowledge and literature but also a center of political upheaval. The Mughal Empire was declining, yet scholars and intellectuals lived relatively peaceful lives amidst the turmoil. Hali enrolled in Madrasa Hussain Bakhsh in Delhi, where he had the privilege of studying under distinguished teachers like Maulvi Nawazish Ali, Maulvi Faiz-ul-Hasan, Maulvi Amir Ahmad, and Shams-ul-Ulama Syed Mian Nazir Hussain. He gained extensive knowledge of Arabic, Persian, and Islamic sciences and also had the opportunity to listen to the poetry of great poets like Zauq, Ghalib, and Shefta, who resided in Delhi.

The British government established the Old Delhi College in 1825 to introduce Indian students to English and European sciences. Scholars like Master Ram Chandra, Muhammad Hussain Azad, Deputy Nazir Ahmad, Zakaullah, and Master Pyare Lal were products of this institution. The college offered scholarships to talented students, and although Hali wished to enroll, as Malik Ram notes, "It was considered against religion to pursue English education at that time."

(Hali: Architect of Indian Literature, p. 16)

Hali had been in Delhi for only a year when his family learned of his whereabouts. Compelled by his elder brother's orders, he returned to Panipat in 1855. By then, he had a child, and his domestic responsibilities were increasing. He continued his search for employment and, after much effort, secured a minor job in the Deputy Commissioner's office in Hisar in 1856. However, in May 1857, the revolt broke out, forcing him to resign and return to his hometown, Panipat, where conditions were relatively stable compared to Delhi. Many poets and scholars sought refuge in Panipat during this period. Until 1862, Hali remained in Panipat, where he furthered his knowledge of the Quran and the teachings of Prophet Muhammad (PBUH) under renowned scholars like Maulvi Abdul Rahman, Maulvi Mahbubullah, and Maulvi Qalandar Ali.

During his four-year stay in Panipat, the climate did not suit his health. By then, the unrest in Delhi had subsided, and the British Crown, under Queen Victoria, had taken control of India. In 1862, with his family's consent, Hali returned to Delhi, where he met Nawab Mustafa Khan Shefta, a prominent scholar and noble from Jahangirabad. Shefta, who used the pen names Shefta in Urdu and Hasrati in Persian, was highly regarded by the British due to his knowledge and family influence. Impressed by Hali's personality and literary talent, Shefta invited him to Jahangirabad to tutor his children, a role Hali fulfilled for seven years. During this time, Hali benefited greatly from Shefta's company, established close correspondence with Ghalib, and became his disciple.

The deaths of Ghalib in February 1869 and Shefta a few months later deeply affected Hali. He resumed his search for employment and was eventually appointed as a translator at the Punjab Government Book Depot in Lahore,

where he was tasked with editing Urdu translations of English books. During this period, he not only gained familiarity with Western education and sciences but also had the opportunity to read masterpieces. It was here that he met Muhammad Hussain Azad, a renowned Urdu poet, prose writer, journalist, critic, and Arabic professor. Hali greatly benefited from Azad's company. In 1871, Hali was appointed editor of the weekly Hamare Punjab. In 1874, Colonel Holroyd, Director of Public Instruction in Punjab, organized a poetry symposium in Lahore under the patronage of Lieutenant Governor Sir Donald McLeod, with Muhammad Hussain Azad overseeing the event. Hali not only assisted Azad but also actively participated, reciting poems like Barkharut, Nishat-e-Umeed, Hub-e-Watan, and Manazira-e-Rahm-o-Insaf. This symposium laid the foundation for modern Urdu poetry.

During his stay in Lahore, Hali frequently fell ill and felt out of place, so after four years, he returned to Delhi in 1875 and began teaching Arabic at the Anglo-Arabic College. Here, he met Sir Syed Ahmad Khan, whose passion for the welfare of the Muslim community deeply inspired Hali. He became devoted to Sir Syed, heart and soul. Hali himself wrote:

"When I looked up, I saw a vast field all around me, with countless paths open in every direction, and there was no limit to the expanse of thought. Suddenly, I saw a man of God, a brave soul navigating a difficult path. Many who had started with him had fallen behind, exhausted, but this resolute man, their leader, remained as energetic as ever. There was magic in his words, and a single glance from him worked its wonders. After twenty years of weariness and exhaustion, I found myself on that same challenging path."

(Madd-o-Jazar-e-Islam, Ram Narain Lal Arun Kumar, Katra Road, Allahabad, 1994, p. 13)

In short, Hali joined Sir Syed's movement and began serving the nation, quickly earning recognition. In January 1887, he was appointed Superintendent at Aitchison College, Lahore, but his health deteriorated again, leading him to resign. In June 1887, he returned to Delhi and resumed teaching Arabic at the Anglo-Arabic School with a monthly salary of 60 rupees. During this time, Nawab Sir Asman Jah, the Prime Minister of Hyderabad, visited Aligarh's MAO College at Sir Syed's invitation. Through Sir Syed, Hali was introduced to the Nawab, who was already familiar with Hali's reputation. After the meeting, the Nawab announced a stipend for Hali from Hyderabad's Department of Authors' Support. From 1888, Hali received a monthly stipend of 75 rupees, which was increased to 100 rupees in 1891 and continued for life. Upon receiving the stipend, he retired from government service. After spending some time in Delhi, he returned to his hometown, Panipat, in 1898. That same year, Sir Syed passed away, causing Hali profound grief. In recognition of his national and literary contributions, the British government honored him with the title of Shams-ul-Ulama in 1904. He traveled to Hyderabad again in 1905, stayed for six months, and returned to Panipat in June 1906. In 1907, he visited Karachi. In May 1911, after undergoing eye surgery in Lucknow, he returned to Panipat, where he remained until his final days.

As mentioned earlier, Hali was born into a literary and respectable family. His ancestors were virtuous and scholarly, which instilled in him a passion for knowledge and literature from childhood. Gifted with a sharp intellect, he developed an early interest in poetry. His greatest desire was to acquire knowledge, which led him to flee Panipat and walk to Delhi. In 1854–55, he wrote a treatise in Arabic on religious matters, marking the beginning of his literary journey. However, his teacher, Maulvi Nawazish Ali, tore it up, which deeply saddened Hali, but he did not lose heart and continued participating in poetry gatherings. During his time in Delhi, he met and was influenced by poets like Zauq, Ghalib, and Shefta. He considered Ghalib his mentor and developed a close relationship with Shefta. Under the pen name Khasta, Hali wrote a few ghazals and showed them to Ghalib, a strict critic, who recognized his potential as a true poet and encouraged him to continue writing. Ghalib reportedly said:

"I never advise just anyone to write poetry, but I believe that if you do not write poetry, you will be doing yourself a great injustice."

(Hali: Architect of Indian Literature, p. 18)

Ghalib and Shefta played a significant role in shaping Hali's poetic and literary talents. He experimented with various forms of poetry, including nazm, ghazal, rubai, marsiya, qata, tarkib-band, and masnavi. He began his poetic career with ghazals and wrote a marsiya on Ghalib's death in 1869. In 1874, at the Lahore poetry symposium organized by Colonel Holroyd, Hali recited poems like Barkharut, Nishat-e-Umeed, Hub-e-Watan, and Manazira-e-Rahm-o-Insaf, contributing to the foundation of modern Urdu poetry. At Sir Syed's request, he wrote Madd-o-Jazar-e-Islam in 1879, along with other notable masnavi-style poems such as Ta'assub-o-Insaf, Kalimat-ul-Haq, Manazira-e-Wa'iz-o-Sha'ir, Phoot aur Ekay ka Manazira, Munajat-e-Bewah, Jashn-e-Jubilee, Beh Nang-e-Khidmat, Daulat aur Waqt ka Manazira, Shikwa-e-Hind, and Muslimoon ki Taleem. In 1890, he published a collection of fifteen poems titled Majmua-e-Nazm Hali. In 1892, he wrote a marsiya for Hakim Mahmood Khan Dehlvi, and in 1905, he composed the masnavi Chup ki Daad. He continued to contribute significantly to poetry.

In prose, Hali left behind numerous memorable works, particularly in criticism, research, and biography. His first prose work was Maulood-e-Sharif (1864), followed by Tiryaaq-e-Masmoom (1867) and Usool-e-Farsi (1871). In the same year, he wrote Mabadi-e-Ilm-e-Arziyat ba-Tabaqat-ul-Arz. Other works include Shawaahid-ul-Ilham (1872), Majalis-un-Nisa (1874), and Safar Nama-e-Nasir Khusro (1882). Hali pioneered Urdu biography with Hayat-e-Saadi, a biography of the Persian poet Sheikh Saadi. There are conflicting opinions about the publication date of Hayat-e-Saadi. According to Saleha Abid Hussain:

"Hayat-e-Saadi was published in 1881, Yadgar-e-Ghalib in 1896, and Hayat-e-Javed in 1901."

(Yadgar-e-Hali, p. 296)

Rashid Hasan Khan writes:

"This book has been printed multiple times. Recently, an edition was published from Lahore, compiled by Sheikh Ismail Panipati, who states that the first edition of Hayat-e-Saadi was published in 1886."

(Hayat-e-Saadi, Introduction by Rashid Hasan Khan, Maktaba Jamia Limited, New Delhi, March 1992, p. 7)

Syed Abid Hussain states:

"In 1881, he published Hayat-e-Saadi, in 1896 Yadgar-e-Ghalib, and in 1901, Sir Syed's biography, Hayat-e-Javed."

(Mutala-e-Hali, compiled by Sahil Ahmad, Urdu Writers Guild, Allahabad, 1997, pp. 50–51)

Dr. Zahir Ahmad Siddiqui believes:

"In 1884, his famous work Hayat-e-Saadi was published."

(Majmua-e-Nazm Hali, p. 8)

According to Malik Ram:

"In 1886, Hali wrote Hayat-e-Saadi, a biography of the philosopher Maulana Shirazi, which became very popular."

(Hali: Architect of Indian Literature, p. 38)

Shujaat Ali Siddiqui Nazir states:

"Hayat-e-Saadi was written in 1884."

(Mutala-e-Hali, Idara-e-Farogh-e-Urdu, Lucknow, 1988, p. 73)

Dr. Kamal Ahmad Siddiqui opines:

"The first Urdu biography, Hayat-e-Saadi, was written by Khwaja Altaf Hussain Hali in 1866."

(Shibli ki Ilmi-o-Adabi Khidmat, compiled by Khaliq Anjum, Anjuman Taraqqi Urdu Hind, New Delhi, Urdu Adab Quarterly, 1996, Issue 1, 2, 3, p. 26)

In 1893, Hali published Muqaddama-e-Diwan-e-Hali, also known as Muqaddama-e-Sher-o-Shairi. In 1896, he completed Yadgar-e-Ghalib, a biography of his mentor Ghalib. In 1901, he published Hayat-e-Javed, a biography of Sir Syed. In 1902, he published Maqalat-e-Hali, a collection of essays that gained popularity. Additionally, he wrote numerous prose articles published in various literary journals, including Maktoob-e-Hali, Makateeb-e-Hali, and Kuliyat-e-Nasr-e-Hali.

The 80-kilometer journey Hali undertook on foot from Panipat to Delhi in 1854 led to various ailments, including cough, fever, asthma, cold, hemorrhoids, nasal congestion, toothaches, and other illnesses, which plagued him throughout his life. Despite these health issues, he remained dedicated to serving literature and the nation. He traveled extensively to cities like Jahangirabad, Faridabad, Patiala, Aligarh, Lucknow, Lahore, Agra, Meerut, Fatehpur Sikri, Ghaziabad, Allahabad, Etawah, Jhansi, Kanpur, Mathura, Bandraban, Karachi, Bombay, Shimla, Hyderabad, and Pune. His eyesight weakened over time, but he paid little attention to it. Eventually, his right eye developed a cataract, and later, his left eye lost vision. He underwent eye surgery at Rajendra Hospital in Patiala and, in 1911, had another surgery in a Lucknow hospital, after which he used glasses for both eyes. In his final months, he suffered a stroke, which made speaking difficult, though he could still understand conversations. After a lifetime of struggles, Hali, the luminary of literature, passed away in the early hours of January 1, 1915, at the age of 77 in Panipat. He was buried in the courtyard of the shrine of Saint Bu Ali Shah Qalandar. Malik Ram writes:

“In the early hours of January 1, 1915, this priceless gem of literature passed away in Panipat at the age of 77 and was buried in the shrine of Shah Sharifuddin Bu Ali Shah Qalandar.”

(Hali: Architect of Indian Literature, p. 51)

Begum Saleha Abid Hussain adds:

“On December 31, 1914, this priceless gem of literature, who laid the foundation of modern Urdu poetry and achieved eminence in criticism, who immortalized the rise and fall of a nation in his Masnavi, departed from this mortal world, and his soul attained a lofty station with the Creator. In Panipat, in the courtyard of Qalandar Sahib’s shrine, near the mosque’s water tank, Hali rests in a beautiful marble grave, a place that will forever remain a shrine for lovers of poetry and literature.”

(Yadgar-e-Hali, p. 75)

Though there are conflicting accounts about Hali’s death, there is no doubt that he passed away on the night of December 31, 1914. Thus, January 1, 1915, is accepted as his date of death. Malik Ram clarifies:

“Hali’s biographers have written that he passed away on December 31, 1914. The truth is that his death occurred after midnight, at 2 a.m. on New Year’s Day, January 1, 1915.”

(Hali: Architect of Indian Literature, p. 51)